فلسطین اور اسرائیل جنگ کی تاریخ

مولانا سفیان علی فاروقی
قطر

اپنوں اور بیگانوں کی کرم نوازیوں کی داستانِ ہوشربا

اس وقت پوری دنیا میں ایک ہی موضوع زیرِ بحث ہے اور وہ ہے مسئلہ فلسطین۔ اور فلسطینی عوام ہی نہیں، بلکہ پوری دنیا پریشان ہے کہ یہ قضیہ مزید کتنی جانیں لے گا اور یہ خطہ مزید کتنی دیر تک چند ایک لوگوں کی خواہشات کی نذر ہوتا رہے گا؟!

میں کافی تحقیق کے بعد اس جاری جنگ کے حقائق، ماضی، حال، مستقبل اور فلسطین اسرائیل وار کی تاریخ، اس جنگ میں اپنوں اور بیگانوں کا کردار اور بے شمار چھپے ہوئے پہلوؤں کی عقدہ کشائی کرنے جارہا ہوں، تاکہ ایک مکمل منظر نامہ اس حوالے سے آپ کی نظر میں ہو اور آپ کے علم میں ہو کہ فلسطین کے قضیے کو لے کر پچھلی کئی دہائیوں سے کیا چلتا رہا؟! تاکہ موجودہ صورت حال سمجھنے اور اس کا نتیجہ نکالنے میں آسانی ہو۔

مسلم ممالک کی عوام یعنی امتِ مسلمہ پچھلی دو تین صدیوں سے عموماً اور ایک صدی سے خصوصاً اپنوں اور بیگانوں کی مشقِ ستم کا شکار ہے۔ میری ناقص رائے کے مطابق اگر مسلم حکمران اپنے اقتدار یا خواہشات کی خاطر اپنی ہی رعایا کو فتح کرنے اور ایک دوسرے کو تاراج کرنے کی بجائے ایک متحد فوج، مسلم ممالک میں ایک ہی کرنسی اور آپس میں ٹریڈنگ یونٹ بناتے، ایک دوسرے کے لیے ویزہ پالیسی آسان کرنے کی طرف توجہ مبذول کرتے تو شاید ہماری یونٹی ختم نہ ہوتی اور کسی بھی غیر مسلم طاقت کو کسی بھی مسلم ملک میں طاقت کا مظاہرہ کرنے کی جرأت نہ ہوتی یا مسلمانوں کا قتلِ عام کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔

یعنی اسرائیل اور فلسطین کی حالیہ جنگ پر بات شروع کرنے اور دشمن کو کوسنے سے پہلے اگر اپنوں کی کرم نوازیوں، اُمتِ مسلمہ پر اپنوں کی مہربانیوں پر دلی افسوس نہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ بات

ادھوری رہ جائے۔

سعودیہ کے شریفِ مکہ کی نادانیاں، ترکی کے کمال اتاترک کی ریشہ دوانیاں، مصر میں محمد مرسی کی حکومت کا خاتمہ اور اخوان کے ہزاروں کارکنان کا قتل، جمال عبدالناصر کے ظلم وستم، پاکستان میں پرویز مشرف کے دورِ اقتدار میں اسلام پسندوں کا قتلِ عام اور پچھلی کئی دہائیوں سے جاری در پردہ اقتدار کی کشاکش میں خوار ہوتے پاکستانی عوام اور غیر مستحکم پاکستان کے پوری امتِ مسلمہ میں منفی اثرات' عراق، ایران اور کویت کی بے فائدہ و بے نتیجہ جنگ، شام میں حافظ الاسد اور بشار الاسد کا اقتدار کی لالچ میں شام کو میدانِ جنگ بنانا، ایران میں خمینی انقلاب کے نام پر قتلِ عام اور ایک مخصوص طبقے کا تسلُّط، فلسطین کے قضیے میں ترکی کی اسرائیل کے ساتھ ٹریڈنگ اور سعودی عرب کا اسرائیل کے ساتھ نرم رویہ، کس کس کا رونا رویا جائے؟! بدقسمتی سے ہماری نااتفاقی نے جو بے یقینی کی صورت حال اُمتِ مسلمہ پر طاری کی اور اس کے نتیجے میں جو دشمنانِ اسلام کو فائدہ ہوا، وہ تاریخ کا ایک تاریک ترین باب ہے۔

فلسطین اور اسلامی تاریخ

دوستو! اسلام کی ابتدائی تاریخ میں مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلہ اول رہا ہے اور نبی کریم ﷺ نے ۱۷ یا ۱۸ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی ہے، اسلامی تاریخ کے مشہور واقعۂ معراج میں بھی بیت المقدس کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس کے ساتھ ساتھ اسلامی تاریخ میں نوے سال نکال کر ۱۲۰۰ سال مسجدِ اقصیٰ مسلمانوں ہی کے پاس رہی، مسلمانوں نے ۱۵ ہجری (۶۳۶ء) میں اس کو فتح کیا، پھر ایک مختصر وقفہ کے لیے یہ صلیبیوں کے قبضہ میں چلی گئی اور صلیبیوں نے (۱۰۹۹ء-۴۹۲ھ) میں اس پر قبضہ کیا اور ۹۰ سال کے لیے یہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئی، لیکن پھر مسلمانوں کے عظیم سپاہ سالار سلطان صلاح الدین ایوبیؒ نے اسے ۱۱۸۷ء (۵۸۳ھ) میں واپس لے لیا، اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں یہ مسلمانوں کے ہاتھ سے ایک مرتبہ پھر نکل گئی۔

سلطنتِ عثمانیہ کا خاتمہ دراصل اسرائیل کی بنیاد کی طرف پہلا قدم تھا

جس طرح سلطان عماد الدین زنگیؒ (۱۱۷۰ء)، سلطان نورالدین زنگیؒ (۱۱۷۴ء) اور سلطان صلاح الدین ایوبیؒ (۱۱۹۳ء) کو مصر کی فاطمی حکومت جو کہ صلیبیوں کی آلہ کار تھی نے پریشان کیے رکھا، بلکہ صلیبیوں کی سازشوں کا بہترین ذریعہ بنی رہی، اسی طرح برِصغیر میں ایران کی صفوی حکومت نے عالمِ اسلام کی اِکائی اور اتحاد کی علامت سلطنتِ عثمانیہ کو پریشان کرنا شروع کر دیا، بلکہ عثمانی حکومت سے باقاعدہ جنگیں

شروع کر دیں اور دشمن نے اس موقع سے بھرپور فائدہ اُٹھایا اور نپولین نے ۱۷۹۸ء میں مصر پر حملہ کر دیا، فرانس نے ۱۸۳۰ء میں الجزائر پر قبضہ کر لیا، انگلینڈ نے ۱۸۳۸ء میں عدن پر قبضہ کر لیا، فرانس نے ۱۸۸۱ء میں تیونس پر قبضہ کر لیا، انگلینڈ نے ۱۸۸۲ء میں مصر پر قبضہ کر لیا، اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں لیبیا پر قبضہ کر لیا، فرانس نے ۱۹۱۱ء میں مراکش پر قبضہ کر لیا، ۱۹۱۷ء میں انگلینڈ نے عراق پر قبضہ کر لیا، اور یہ جرأت شریفِ مکہ کی غداری اور برطانوی کاسہ لیسی کے نتیجے میں ہوئی۔

یوں سلطنتِ عثمانیہ کو سازش کے تحت کمزور کر کے اور پھر ختم کر کے پورے عالمِ اسلام کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا، اسی کے نتیجہ میں ۱۹۱۷ء میں ایک معاہدہ بالفور ہوا، جس کی صورت میں صہیونی مغربی اتحاد وجود میں آیا، پھر ۱۹۱۸ء میں اس خطے کا تقریباً مکمل کنٹرول برطانیہ کے پاس چلا گیا اور ۱۹۲۲ء میں اقوام متحدہ نے بھی اس کنٹرول کو باقاعدہ تسلیم کر لیا اور اسی سال (ہربرٹ صموئیل) متشدد یہودی کو فلسطین میں برطانیہ کی طرف سے پہلا مندوب تعینات کر دیا گیا۔ ۱۹۴۸ء میں اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی میں فلسطین کو عربوں اور یہودیوں میں تقسیم کرنے کا رزولوشن پاس ہوا، اس طرح ناجائز ریاست اسرائیل کی بنیاد پڑی اور عرب آبادی کے سینہ پر اسرائیل کا خنجر پیوست کر دیا گیا۔

دوستو! برطانوی تسلط (۱۹۱۸ء تا ۱۹۴۸ء) کے دوران یہودیوں کی آبادکاری کا سلسلہ بالجبر برطانیہ کے زیرِ سایہ شروع ہوا جو ۱۹۴۸ء تک چھ لاکھ چھیاسی ہزار تک پہنچ گیا اور اس سلسلہ میں برطانیہ نے جبراً غیر فلسطینی کاشتکاروں کی اراضی، اپنی غصب کردہ اراضی اور ثقافتِ اسلامیہ کی اراضی جو صدیوں سے اسلامی مقاصد کے لیے وقف تھی، یہودیوں کو دینا شروع کی، یوں برطانیہ کے زورِ بازو پر ۲۹۲ اسرائیلی کالونیاں بن چکی تھیں اور برطانیہ ہی کی شہ پر اسرائیل کے باقاعدہ اعلان سے پہلے ستر ہزار عسکری جنگجوؤں کی فوج بھی تیار کی جا چکی تھی، یعنی اسرائیل کی بنیاد ۱۹۴۸ء میں مسلمانوں کی تقریباً چار سو بستیوں کو مسمار اور تقریباً ۲۵ ہزار فلسطینیوں کا قتلِ عام کر کے ان کی ناجائز آبادکاری سے ہوئی۔ یوں ۱۴ رمئی ۱۹۴۸ء کی ایک اَلمناک شام کو یہودیوں نے باقاعدہ اسرائیل کا اعلان کر دیا اور پھر ۱۹۶۷ء تک مکمل طور پر بیت المقدس پر اسرائیل قابض ہو چکا تھا۔ یوں حالیہ تنازع سے پہلے تک تقریباً ۵۶ رلاکھ فلسطینی اپنے گھروں سے محروم کر کے پناہ گزین اور مہاجرت کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیئے گئے۔

حیران کن واقعہ

۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۸ء کے دوران ایک اور حیران کن واقعہ پیش آیا کہ سعودی عرب نے اپنی

فلسطین کے ساتھ لگنے والی سرحد نہایت خاموشی سے مملکتِ اُردن کو دے دی، یوں سعودی عرب نے براہِ راست فلسطین کی ہمسائیگی کو بالقصد ترک کر دیا، جس کے متعلق مختلف مثبت اور منفی رائے قائم کی جاتی رہی ہے۔ اسی دوران ۱۹۶۷ء کو عرب اسرائیل جنگ ہوئی، جس میں عرب ممالک کے تقریباً دس ہزار فوجی شہید ہوئے اور پھر اسرائیل نے مصر، شام، لبنان اور اُردن کے وسیع علاقوں پر قبضہ کرلیا، اس طرح ۲۰۸۷۰ مربع میل کے علاقے پر یہودیوں نے ناجائز قبضہ کرلیا، جن میں سے کچھ علاقے بعد میں واپس بھی ہوئے، لیکن بہت کم۔

یہودیوں کا نعرہ کہ فلسطین اُن کا وطن ہے؟

یہودیوں کا جو بنیادی نعرہ ہے کہ فلسطین اُن کا وطن ہے، وہ بھی بے بنیاد ہے، کیونکہ معاصر یہودیوں میں سے ۹۰ رفیصد سے زائد یہودیوں کا تاریخی اعتبار سے فلسطین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اور معاصر یہودیوں کا تعلق (الخزر اور اشکنار) قبائل سے ہے، جو کہ تاتاری یعنی قدیم ترک قبائل ہیں اور اگر ان کو اپنے وطن واپس لوٹنے کا کوئی حق حاصل ہے بھی تو وہ روس کے جنوبی علاقوں میں ہے، نا کہ فلسطین میں۔

اسی طرح سابقہ ادوار میں بھی یہودیوں نے کئی مرتبہ بالقصد ارضِ مقدس فلسطین میں آنے اور بسنے سے انکار کر دیا تھا، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فلسطین کی جانب جانے سے ان کی اکثریت نے انکار کر دیا اور بعد کے زمانہ میں جب ایرانی بادشاہ (قورش ثانی) نے انہیں دوبارہ فلسطین میں بسانے کی پیشکش کی تو اُن کی اکثریت نے بابل (عراق) سے واپس جانے سے انکار کر دیا تھا، اور یہ جو موجودہ فلسطینی ہیں، یہ ان کنعانیوں کی نسل سے ہیں جن کی وجہ سے اس علاقے کا قدیمی نام ارضِ کنعان پڑا تھا۔

اس جنگ کا ایک اور المیہ

اسرائیل کو فریق کے طور پر سب سے پہلے مصر نے ۱۹۷۸ء میں تسلیم کیا اور اس سے معاہدہ کیا، جسے (کیمپ ڈیوڈ معاہدہ) کہا جاتا ہے (میرے خیال میں اس معاہدے نے اسرائیل کے لیے ایک ریاست کے طور پر مضبوطی کی بنیاد رکھ دی تھی) جس میں دو بنیادی شقیں ملاحظہ کریں:

۱: مصر اور اسرائیل کے درمیان ڈپلومیٹک نمائندگی کا تبادلہ۔

۲: دونوں ملکوں کے درمیان اقتصادی مقاطعہ اور جنگی صورت حال کا خاتمہ۔

اس کے بعد ایک طرف تو اکتوبر ۱۹۹۱ء میں تحریکِ آزادیِ فلسطین اور عرب ممالک نے میڈرڈ شہر میں اسرائیل کے ساتھ بلاواسطہ امن مذاکرات کے سلسلے کا آغاز کیا جو دو برس تک بغیر کسی نتیجے کے چلتا رہا،

لیکن در پردہ مذاکرات بھی اسرائیل نے شروع کر دیئے جو (اوسلو) معاہدے کی بنیاد بنے، جس پر عرب نمائندوں اور اسرائیل نے ۱۳ ستمبر ۱۹۹۳ء کو دستخط کر دیئے، جس میں بدقسمتی سے عرب کی ایک مخصوص قیادت نے (سارے عرب اس میں شامل نہیں تھے) اسرائیل کو ایک جائز ملک تسلیم کر لیا۔ فلسطینی اراضی کے ۷۷ فیصد حصے پر بھی اسرائیلی تسلُّط جائز تسلیم کر لیا اور یہ بھی طے پایا کہ تحریکِ انتفاضہ اب کالعدم ہو چکی ہے اور اسرائیل کے خلاف مسلح کارروائی اب غیر قانونی سمجھی جائے گی۔ یوں عرب قیادت فلسطینی عوام کے مطالبے سے دستبردار ہو گئی، لیکن اس معاہدے کو پورے عالمِ اسلام خصوصاً عرب ممالک میں شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا اور عالمِ اسلام کے علماء نے باقاعدہ فتوے جاری کیے کہ فلسطین کی سرزمین کا فیصلہ کرنا کسی کا بھی حق نہیں ہے، خصوصاً غیر فلسطینیوں کا۔ اگر موجودہ وقت میں امت کی حالت کمزور ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ طاقت کے آگے سر جھکا دیا جائے اور یہ کہ مزاحمتی تحریکیں اپنے حجم کے لحاظ سے جاری رہیں گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حق کو غالب کر دیں۔

اوسلو معاہدے میں فلسطین کے بنیادی ایشوز کو ڈسکس ہی نہیں کیا گیا تھا، مثلاً القدس شہر کا مستقبل کیا ہوگا؟ فلسطینی مہاجرین کا مستقبل کیا ہوگا؟ مغربی پٹی اور غزہ کے علاقے میں غاصب صہیونی بستیوں کا کیا ہوگا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ساتھ ساتھ یہ بھی اس بھیانک معاہدے میں طے پایا کہ فلسطینی اتھارٹی اسرائیلی حکومت کی نگرانی میں کام کرے گی، فلسطینی اتھارٹی فوج نہیں رکھ سکتی۔ اسرائیل، فلسطینی اتھارٹی کے کسی بھی فیصلے کو ویٹو کر سکتا ہے۔ فلسطینی اتھارٹی اسرائیل کی اجازت کے بغیر اسلحے کی خرید و فروخت نہیں کر سکتی۔ اسرائیل کے خلاف مزاحمت کاروں کو گرفتار کر کے اسرائیلی حکومت کے سپرد کرنا بھی اوسلو معاہدے میں شامل تھا، اسی کے ساتھ اوسلو معاہدے میں یہ بھی ظلم کیا گیا کہ فلسطینی اتھارٹی کا سرحدات پر اختیار بالکل ختم کر دیا گیا اور فلسطینی اپنی سرزمین میں آنے اور جانے کے لیے اسرائیل کی اجازت کے پابند ہو گئے، ایک اور خطرناک چیز اس معاہدے میں یہ ہوئی کہ اب آزادانہ طور پر کوئی بھی عرب ملک اسرائیل کی حیثیت کو تسلیم کر سکتا تھا۔

یہودیوں کے ابتداءً دو گروہ تھے

سارے یہودی فلسطین پر غاصبانہ قبضے کے حق میں نہیں ہیں، بلکہ اس عنوان پر اُن کے بھی دو گروہ ہیں: ایک بالکل لبرل بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں اور دوسرے دنیا سے الگ تھلگ متشدد بن کر۔ اور یہی متشدد طبقہ فلسطین پر ناجائز قبضہ کرنے کے مکروہ چکروں میں ہے اور امریکہ کی سپورٹ ان کے لیے کیوں ہے؟ اس میں ایک نقطۂ نظر یہ بھی ہے کہ یورپ ان متشدد یہودیوں سے جان چھڑانا چاہتا ہے، تاکہ یورپ کو ان کی

ریشہ دوانیوں سے محفوظ رکھا جا سکے، اسی لیے وہ ان کی ہر ممکنہ سپورٹ کر رہا ہے۔

دوستو! یہ تھی اس اسرائیل اور فلسطین قضیے کی تاریخ۔ اُمید ہے کہ اب موجودہ حالات سمجھنا آپ سب کے لیے کوئی مشکل نہیں ہوں گے، اور اس وقت جو سب سے اہم چیز ہے، وہ فلسطینی بہن بھائیوں سے اظہارِ یکجہتی کرنا، ان کی ہر ممکنہ مدد کرنا، غذاء اور ادویات کی فراہمی اور اسرائیلی مصنوعات کا بائیکاٹ، یہ وہ اہم اور ضروری چیزیں ہیں جو ہم مسلم ممالک کے مجبور عوام کر سکتے ہیں اور اس میں کوئی روک ٹوک نہیں۔

ویسے تو حق یہ ہے کہ اپنی اپنی حکومتوں سے پرزور مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس جنگ کو رکوانے اور فلسطینی عوام کو ان کا جائز حق دلوانے کے لیے اپنے وسائل کو بھرپور طریقے سے بروئے کار لائیں۔

..... ۞ ..... ۞ ..... ۞ .....